

روشنی کا سفر

ہم اہل زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچتے۔

آج سے کئی برس پہلے کی بات ہے۔ میں ایک رسالہ دیکھ رہا تھا تو اس میں ایک تصویر نما کارٹون تھا۔ جس میں ربڑ کی ایک بہت مضبوط کشتی گہرے سمندروں میں Deep Seas میں چلی جا رہی تھی اور غالباً اس کشتی میں سوار لوگ کسی خاص قسم کی مچھلی کا شکار کرنے نکلے تھے (اس کارٹون سے اس قسم کا تاثر ملتا تھا) اس ربڑ کی مضبوط کشتی کے ایک طرف سوراخ ہو گیا اور سمندر کا پانی بڑے دباؤ کے ساتھ کشتی کے اندر داخل ہونے لگا۔ کشتی میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ ڈبے گلاس اونگ لے کر یا جو بھی کچھ ان کے پاس تھا پانی نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کشتی کی دوسری سائیڈ پر جس طرف سوراخ نہیں ہوا تھا جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ انتہائی پرسکون نظر آ رہے تھے جس طرح ہم اس پروگرام میں بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمیں بھی کشتی سے پانی نکالنا چاہیے لیکن اس کے ساتھیوں نے کہا کہ دفع کرو یہ ہماری سائیڈ تھوڑی ہے۔ اس سے ہمارا کیا تعلق۔ وہ خود ہی نکال لیں گے۔

خواتین و حضرات! انسانی رویوں میں بڑی خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں الگ تھلگ اپنی ایک دنیا کا باسی ہوں۔ میرا اپنا ایک ماحول ہے اور میں باقی کی دنیا سے متعلق نہیں ہوں۔ جیسے بش اور بلیئر (امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اور برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر) سمجھتے ہیں کہ ہمارا ساری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک مخصوص علاقے کے بندے ہیں۔ پانی اگر ایک سائیڈ سے آ رہا ہے تو شوق سے آئے ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔

ہم اپنے انداز سے چلیں گے اور موج میلا کریں گے حالانکہ حقیقت میں ایسے نہیں ہے۔ ہم سارے کے سارے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

جب زندگی میں بہت مشکل پڑتی ہے، بہت الجھنیں ہوتی ہیں (اللہ نہ کرے کہ آپ پر ایسی الجھنیں پڑیں جو آپ کی روح کے اندر تک اتر جائیں) تو پھر آپ کو احساس ہونے لگتا ہے کہ انسان کا انسان کے ساتھ تعلق ہے۔ انسان غیر ارادی اور غیر محسوس طور پر دوسرے آدمی کے گرد و حال ڈالتا رہتا ہے۔ ہماری روح کا ایک حصہ جو ہے اپنی مرضی سے خود بخود ایک چکر کا ثار ہوتا ہے جس کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہوتا ہے۔ باوصف اس کے کہ مجھے اپنا پڑوسی بہت برا لگتا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ کام کرنے والے بہت برے لگتے ہیں۔ مجھے اپنا لباس زہر لگتا ہے لیکن میری وابستگی اس کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہے۔ خدا نخواستہ آپ کا دادا یا آپ کے ابا حضور جو ایک بہت خوفناک بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور حکیم ان سے یہ کہے آپ کسی قسم کی غذا نہیں کھا سکتے یا اسے ہضم نہیں کر سکتے۔ لہذا آپ تین مہینہ میوز (بغیر بیج کے سوکھا ہوا بڑا انگور) کے دانے ہی صبح کے وقت کھائیں، یہ آپ کے لیے کافی ہیں اور آپ جب اس مہینے کو لینے کے لیے بازار جاتے ہیں اور آپ کے لیے یہ ایک نئی چیز ہے کیونکہ آپ نے اس کا نام سنا ہوتا ہے اسے دیکھا نہیں ہوتا تو آپ کے پہلو سے وہ بابا ضرور گزرتا ہے جو بلوچستان میں بڑا انگور بوتا ہے اور جہاں انگور اگائے جاتے ان کھیتوں کھلیانوں کی آبیاری بھی کرتا ہے۔ ان کا خیال بھی رکھتا ہے۔ وہ آپ کے مریض ابا کے لیے یا مریض دادا کے لیے انگور تیار کر رہا ہے۔ اس کو آپ کے ابا یا دادا کا نہیں پتہ اور انہیں اس بابا کا نہیں پتہ لیکن انسان بھی ایک عجیب رشتے میں بندھا ہوا ہے۔ انسان زمین، سورج چاند ستارے یہ آپس میں بندھ کے چلتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ سلسلہ ہمارے ارد گرد رواں دواں رہتا ہے اور یہی خیال بندے کو روشنی عطا کرتا ہے۔

بڑی دیر کی بات ہے میں اس وقت تقریباً جوان ہی تھا۔ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ پروگرام بنایا کہ اس سال جب نیا سال طلوع ہوگا تو ہم وہ سال کسی کھلی جگہ یا کھلے علاقے میں منائیں گے۔ اسی شہر میں انہیں پرانے لوگوں کے ساتھ اس بار نہیں منائیں گے کہیں اور ہی چلیں گے۔ ہم نے ریٹالہ خور کا انتخاب کیا (یہ پتوکی کے قریب ایک قصبہ ہے اور لاہور سے ساہیوال کے راستے میں آتا ہے) ریٹالہ میں میرے بھائی کا ایک مرغی خانہ تھا وہ ویرانے میں تھا ساتھ نہر تھی۔

ہم 31 دسمبر کی صبح وہاں پہنچے اور ہمیں بتا دیا گیا کہ یہ کچا کوٹھا آپ کا ہے اور آپ یہیں رہیں گے۔ وہاں مرغیوں کے رہنے کے لیے کچے کوٹھے تھے جبکہ بندوں کے رہنے کے لیے نہایت واہیات قسم کے کچے کوٹھے تھے لیکن اب ہم کیا کر سکتے تھے، مجبوری تھی کہ نئے سال کی شروعات گھر سے باہر

اور کھلے مقام پر ہی کرنی تھی یہ عزم جو کر رکھا تھا۔

جب ہم نے وہاں اپنا اڈہ جمالیا تو میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”بانو دیکھو یہاں سردی بہت ہوتی ہے۔“

بانو کہنے لگی کہ ”کچی دیواروں سے سردی اور گرمی نہیں آتی۔“

میں نے کہا کہ ”Scientifically تو ٹھیک ہے لیکن سائنس سے ماوراء ایک جسم بھی ہوتا ہے جو گرمی و سردی کو ایک اور طرح سے محسوس کرتا ہے۔“

آپ نے کئی بار دیکھا ہوگا کہ آپ دن بھر کام کرتے رہے ہیں اور ایک نارٹل سادن گزارتے ہیں۔ اگلے دن اخبار میں پڑھتے ہیں کہ کل 117 ڈگری فارن ہائیٹ درجہ حرارت تھا۔ آپ کہتے ہیں تو بہ تو بہ کل اس قدر گرمی پڑی ہے لیکن آپ کو پتہ نہیں چلتا ہے۔ میں نے بانو سے کہا کہ ”سائنس اور تھرمامیٹر والی گرمی یا سردی اور ہے۔ بدن اور روح کی گرمی اور ہے۔“

میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”میں تمہیں Warn کرتا ہوں کہ سردی سے بچنے کا خصوصی تجربہ ہونا چاہیے۔ مجھے علم ہے کیونکہ میں ایک پینڈو آدمی ہوں۔ میں نے دیہاتوں میں سردیاں گزاریں ہوئی ہیں۔“

اس نے کہا کہ ”پھر ہم کیا کریں گے۔“

میں نے کہا کہ ”ہم دن بھر لکڑیاں یا ایندھن اکٹھا کریں گے اور شام کو اپنے کمرے میں ایک چھوٹا سا آلاؤ جلائیں گے۔ اس طرح کمرہ گرم رہے گا تو آسانی رہے گی۔“

میری بیوی بھی کہنے لگی کہ ”ٹھیک ہے۔“

ہم دن بھر نہر کی پٹری کے کنارے ایندھن اکٹھا کرتے رہے۔ ہم نے لیکر کے درختوں کی چھال اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں اکٹھی کیں اور سارا دن اس دوران ”پے“ کے گھونسلے دیکھتے رہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ”بیا“ پرندہ بڑا خوبصورت گھونسلہ ڈالتا ہے۔ وہ بغیر آرکیٹیکٹ کی مدد کے اپنا گھر بڑا خوب صورت بناتا ہے۔ اس کے گھونسلے کے کئی حصے ہوتے ہیں۔ کئی پورشن بناتا ہے۔ اس کی بیوی اور بچوں کے رہنے کا کمرہ الگ ہوتا ہے۔ اس کا اپنا کمرہ الگ ہوتا ہے۔ اس نے دانے الگ سے سٹور کیے ہوتے ہیں۔ ہم زمین پر گرا ”بالن“ اکٹھا کر کے اپنی کچی کوٹھڑی میں رکھتے رہے۔ جب شام ہوئی تو ہم نے باہر سے ہی اینٹیں لا کر ایک گز لمبا اور ایک گز چوڑا ”چوپچہ“ سا بنالیا تاکہ اس میں لکڑیاں رکھ کر آگ لگا سکیں۔

مجھے خوشی کی گھڑیوں والا وہ دن اب شدت سے یاد آ رہا تھا۔ اس دن ہم نے عجیب سی ایک

خوشی محسوس کی تھی۔ جب سردی اتری تو ہم نے وہاں آگ جلائی اور دروازہ بند کر لیا۔ ہم دونوں میاں بیوی وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور سردی دروازے کے چھیدوں سے اندر آنے کی کوشش کرتی رہی۔ ہم ہر طرح کی بات اور ہر طرح کے فلسفے پر مجھو گفتگو رہے اور آگ جلتی رہی۔ آدھی رات کے وقت وہ آگ بجھنے لگی اور تہہ نشین ہوتی گئی اور کمرے میں تاریکی ہو گئی اور جو آگ کی روشنی کے سائے کمرے کی دیواروں پر پڑ رہے تھے وہ بھی ختم ہو گئے۔

اس اندھیرے سے گھبرا کر بانو قدسیہ نے کہا کہ ”کیا اب اندھیرا ہی رہے گا۔“

میں نے کہا کہ ”ہاں، مجبوری ہے۔“

تاریکی میں بھی کچھ وقت گزارنا چاہیے۔ وہاں ایک Angle Iron کا چھوٹا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ میں نے اسے لے کر وہ بجھتی ہوئی آگ کریدنی شروع کر دی اور میں اسے ”پھرونے“ لگا۔

میں نے محسوس کیا کہ جوں جوں لکڑی کا کوئی ٹکڑا جو نیم جلاتا تھا وہ جب دوسرے کے ساتھ جڑتا تو وہ دھک سے روشن ہو جاتا۔ جوں جوں وہ ایک دوسرے سے الگ ہوتے تو وہ بجھ جاتے اور تاریکی بڑھ جاتی۔ چنانچہ میں نے ایک خاص وضع کے ساتھ ان کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور جب میں نے انہیں بجھتے شعلوں کے ساتھ رکھا تو پھر سے کمرہ روشن ہو گیا اور کھیل میں لپٹی میری بیوی کا سایہ اتنا بڑا ہو گیا جتنا پہلے نہیں تھا۔

میں نے بانو سے کہا کہ ”دیکھو روشنی کا کھیل بھی عجیب ہے۔ جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو چھوٹے آدمیوں کے سائے بھی بڑے بڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ بھی یہ بار بار کہتا ہے کہ ہم تم کو ظلمات اور اندھیرے سے روشنی کی طرف لائے ہیں۔ روشنی اللہ کا ایک بہت بڑا پیام ہے۔“

اللہ خود ہی اپنے حوالے سے بتاتا ہے کہ ”ترجمہ:- اللہ آسمانوں اور زمینوں کا ایک نور ہے۔ وہ شمع دان کے اندر جلتی ہوئی ایک بتی ہے جو ایک ایسے تیل سے روشن ہے جو نہ مشرق کا ہے نہ مغرب کا ہے اور نہ ہی وہ تیل ہے۔“

خواتین و حضرات! اللہ تعالیٰ روشنی کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

جو بڑا آرٹسٹ ہوتا ہے جب وہ اپنی پینٹنگز بناتا ہے تو سفید رنگ استعمال نہیں کرتا۔ وہ سفید رنگ والی جگہ چھوڑتا جاتا ہے۔ میں اٹلی میں رہا ہوں اور میں نے وہاں آرٹسٹوں کو کام کرتے بہت دیکھا ہے۔

وہ دوسرے رنگ نکھیرتے جاتے ہیں اور سفید جگہ کو ضرورت کے مطابق چھوڑتے جاتے ہیں۔ اس سے ظلمات ایک طرف ہوتا جاتا ہے اور نور ایک طرف رہتا ہے اور تصویر کی پوری ماڈلنگ ہو جاتی ہے۔

خیر ہم اس کچے کمرے میں جلتے الاؤ میں اپنے سائیوں کو دیکھتے رہے اور خوش ہوتے رہے اور روشنی کی خوبصورت نعت کو محسوس کرتے رہے۔ ہم نے اندازہ کیا کہ روشنی تب آتی ہے جب دو چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھیں۔ جب الگ الگ ہو جائیں گی پھر روشنی نہیں ہوگی، پھر ظلمات ہوگا، وابستگی بہت ضروری ہے۔ بندے کا بندے سے تعلق ضروری ہے۔ چاہے اسے پتہ ہو چاہے نہ پتہ ہو۔ ہم کسی سے چاہے کتنی ہی نفرت کر لیں لیکن تعلق کا ایک دائرہ ہمیشہ آپ کے گرد کام کرتا رہتا ہے اور آپ کو تقویت فراہم کرتا رہتا ہے جبکہ آپ اکیلے اپنے آپ کو اتنی تقویت نہیں بخش سکتے۔ کبھی بھی آپ اپنے بوٹ کے تسمے خود کھینچ کر اپنے آپ کو ہوا میں نہیں اٹھا سکتے۔ کوئی بندہ آپ کو ”جھمی“ ڈال کے اونچا اٹھا سکتا ہے۔ مجھے روشنی سے ایک بات یاد آ گئی۔ بڑی توجہ طلب اور لطیف بات ہے۔ ایک زمانے میں بہاولپور کے ایک گنے کے کھیت میں ایک گنے کے ٹانڈے پر سورج کی چمکدار سنہری روشنی پڑتی ہے اور وہ صبح سویرے پڑ رہی ہوتی ہے اور زمین Rotate کرتی ہے۔ سات منٹ کے بعد وہ گنے کا ٹانڈا اس روشنی سے نکل جاتا ہے۔ سات منٹ تک وہ ٹانڈا روشنی کو Absorbe کرتا ہے۔ پھر وہ روشنی دوسرے ٹانڈوں پر پاکھیت پر پڑتی جائے گی۔ جب اس ٹانڈے پر وہ روشنی پڑ چکی تو وہ ٹانڈا اکٹا اور کٹ کے شوگر فیکٹری میں گیا۔ وہاں وہ کرش ہونے کے بعد چینی میں تبدیل ہوا پھر اس کی بوری بھری گئی۔ اب وہ بوری کسی طرح سے سفر کرتی ہوئی ہمارے ہاں لاہور پہنچی۔ پھر دکاندار سے ہمارے ریسٹوران یاٹی ہاؤس کے بندے نے کلو دو کلو چینی خریدی۔ ادیب آرٹسٹ لوگ وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے وہاں سراج سے کہا (جوٹی ہاؤس میں بڑا ہی پیارا میرا ہے) کہ چائے کی ایک Strong سی پیالی لاؤ۔ اب اس نے ایک کی بجائے دو بلکہ سوادو چینی کے چمچ اس چائے میں ڈالے اور وہ چائے مجھے دی۔ میں وہ چائے پی کر وہاں سے باہر نکلا اور اپنی سائیکل اٹھائی (یہ میں اپنے کالج کے زمانے کی بات کر رہا ہوں) میری وہ سپورٹس سائیکل تھی۔ چلنے سے پہلے میں نے اس کی ڈانچو کو اس کے ٹائر کے ساتھ لگایا۔ میں نے اس چینی سے اپنے اندر پیڈل پاور پیدا کی اور پیڈل چلانا شروع کیا۔ پھر میری سائیکل کے ٹائر سے لگی ڈانچو سے بجلی پیدا ہو کر میرے سائیکل کی بتی میں آئی تو ساری سڑک میرے سامنے روشن ہو گئی۔

خواتین و حضرات! یہ وہی روشنی تھی جو سورج نے گنے کو عطا کی تھی۔ یہ رشتے میں بندھی ہوئی کس طرح سے میرے پاس آئی اور اب میں اس روشنی کو پہچانتا تھا اور میں چلا جا رہا تھا۔ ہم رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں اور انہیں توڑنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے پر حملے کرتے ہیں۔

52 بی طیارے بھیج کر ان کو مارتے ہیں جو ہمارے وجود کی روشنی ہیں جو ہماری روح کا ایک

حصہ ہیں۔ اس حوالے سے بندوں کو دانش اور عقل کب آئے گی۔ اس بارے میں ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم کتنے ہی محبت کے گیت گائیں، کتنے ہی ہاتھوں کے ہار یا زنجیریں بنالیں، ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا جس کی ہماری روح کو آرزو ہے۔ ہمارا نفس تو چاہے گا کہ میرے سوا اور کوئی نہ ہو اور میرے ہی گن گائے جائیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ آپ کی پروڈکشن کی آپ کی گائیکی کی آپ کے فن کی اور شاعری کی جب بھی تعریف ہوگی کوئی بندہ ہی کرے گا۔ اگر آپ بندوں کو مادر دیں گے تو پھر کوئی تعریف بھی نہیں کرے گا۔ جس طرح لوہے کے ایک ٹکونی ٹکڑے سے بھرتی ہوئی ”چروں“ کو ایک دوسرے کے قریب کرنے سے روشنی پھوٹی تھی اور سایہ بڑا ہوا تھا، اسی کی ضرورت ہے۔ قد بڑا کرنے کے لیے یکجا ہونے کی ضرورت ہے۔

خواتین و حضرات! کسی نہ کسی طرح سے کسی نہ کسی روپ میں ہم کو باہم ہونا ہی پڑے گا۔ ہم اپنے غرور اور تکبر کے سبب الگ ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا ممکن نہیں ہوتا نہیں ہے۔ آپ کبھی اکیلے میں بیٹھ کر اس پر ضرور غور کیجیے گا اور لاشعور کی دنیا میں جا کر غور کیجیے گا تو یقیناً آپ کسی مثبت نتیجے پر پہنچ پائیں گے۔

حضور کا فرمان ہے کہ ”کسی کو کچھ نہیں دے سکتے تو ایک مسکراہٹ ہی دے دو۔ یہ بھی ایک صدقہ جاریہ ہے۔“

آدمی اگر مسکراہٹیں ہی لوگوں کو عطا کرتا رہے تو روشنی میں بڑا اضافہ ممکن ہے اور ہم جیسے بہت ہی کوتاہ قد آدمی اور نمٹنے والے بندے ان لوگوں کو بڑی شکست دے سکتے ہیں جو دنیا میں تاریکی پھیلا رہے ہیں، جنہوں نے دنیا کو ظلمات کے اندھیروں میں لپیٹ رکھا ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔